© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

ایک آیت

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

ترجمہ:- اور صبر و صلوٰۃ سے مدد چاہو اور بے شک یہ کام بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو میری طرف جھکنے والے ہیں، جنھیں یہ یقین حاصل ہے کہ انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی جانب رجوع ہونا ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ انسان جب تک اس کارگاہِ حیات میں تاریکی، جہل، اور ہر برائی کے خلاف نبرد آزما ہے اسے مصائب اور تکالیف سے بہرحال دوچار ہونا پڑے گا اور ان تکالیف اور مصائب سے نجات پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انسان صبر و صلوٰۃ کو اپنائے حالات کا تجزیہ کرے، مشکلات پر قابو پائے تدبیر سے پوری طرح کام لے اور نتائج کے بارے میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری دے اس کے آگے جھکے دست بدعا ہو اور اخلاص و محبتِ الٰہی کی کیفیات سے قلب و ذہن کو آراستہ کرے۔

سوال یہ ہے کیا اس دنیا میں تکالیف و مصائب انسان کا مقدر بن چکے ہیں اور اس سے کسی طرح بھی مخلصی حاصل نہیں کی جا سکتی اور ایسا کیوں ہے کہ انسان الم و اذیت کے کانٹوں سے ردائے امن و رفاہیت کو تار تار کر دینے پر مجبور ہے۔ سوال جس قدر ٹیڑھا اور مشکل ہے جواب اسی نسبت سے آسان ہے بات یہ ہے کہ اس دنیا میں دو طاقتیں بظاہر دست و گریبان نظر آتی ہیں۔ ایک طرف انسان کا اختیار ہے ارادہ ہے، خواہشات و آرزوئیں اور نصب العین ہیں کہ جن کی تکمیل کے یہ درپے ہے اور یہی زندگی بھی ہے، دوسری طرف قوانینِ فطرت کا جبر ہے، معاشرہ کی قیود و رسوم ہیں جو اس کی راہ میں کبھی حائل ہو جاتی ہیں۔ اس بنا پر اختیار و جبر کی اس لڑائی میں بسا اوقات انسانی خواہشات و آرزوؤں کا خون ہو جاتا ہے اور دل کی وہ امنگیں اور عزم و ارادے کے وہ منصوبے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتے جن کی تکمیل و اتمام پر اس کی زندگی اور شادمانیوں کا انحصار ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصہ یہ نہیں کہ کائنات اور انسان دو مختلف سکیموں کے تحت منصۂ وجود پر آئے ہیں دونوں کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی غرض وغایت ہے، دونوں اس بات کے مکلف ہیں کہ اللہ کے قوانین کی اطاعت کریں، اللہ کے گُن گائیں اور تہذیب وارتقا کی بہرہ مندیوں میں اضافہ کریں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کائنات اور انسان میں کوئی حقیقی اجنبیت، بیگانگی اور دشمنی پائی نہیں جاتی۔ انسان اس کائنات کا دولہا ہے، یہ اختیار و ارادہ کی دولت سے مالامال ہے اور اس کے دائرۂ کار میں یہ فریضہ داخل ہے کہ یہ کائنات اور حالات وظروف کو سلجھائے، دونوں کے لیے اختلاف و نبرد آزمائی کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب حالات وظروف رسم ورواج یا قوانینِ فطرت اور انسان میں باہمی مفاہمت کا جذبہ قائم نہیں رہتا، یہیں سے تکالیف ومصائب کا آغاز ہوتا ہے، انسان کو چاہیے کہ حالات وظروف کو تہذیبی۔ اخلاقی اور روحانی مقاصد کے لیے استعمال کرے ان کو حسب خواہش ڈھالے اور ارتقاء وتکمیل کی راہ پر ڈالے، لیکن تکالیف ومصائب کی ہر منزل ناگزیر ہونے کے باوجود انسانی مقدر نہیں، ان کو کامیابی، راحت اور مسرت وشادمانی سے بدلا جاسکتا ہے۔

مزید برآں ان مصائب وتکالیف میں خیر وبرکت کا زبردست پہلو یہ پایا جاتا ہے کہ ان سے انسان میں مقابلہ وتسخیر کی قوتیں پرورش پاتی ہیں۔ ذہن وفکر جلا پاتے ہیں اور ان سے جو جو فنی، علمی اور تہذیبی چیلنج ابھرتے ہیں، ان کی بدولت انسان اس لائق ہوتا ہے کہ ان کا کامیابی سے جواب دے سکے، یہی زندگی ہے، یہی تہذیب وتمدن کا ارتقا ہے اور یہی مقصودِ انسانیت ہے۔ غور کیجیے کہ آج انسان تہذیب وثقافت کی جن بلندیوں کو چھو رہا ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی جن فتوحات سے آراستہ ہے، اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس دنیا میں اس نے تکالیف ومصائب کے چیلنج کا فکر وعمل کی ہر ہر سطح پر مقابلہ کیا اور بتا دیا کہ وہ اپنی تخلیقی کوششوں اور تعمیری صلاحیتوں کے بل پر نہ صرف اس دنیا میں رہ سکنے کے لائق ہے، بلکہ اس کو علوم وفنون کی ضیا افروزیوں سے منور کر دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ نہ تو تکالیف ومصائب سے دوچار ہونا ہمارا مقدر ہے، نہ یہ کائنات اپنے مزاج اور فطرت کے اعتبار سے ہماری دشمن ہی ہے اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ تکوینی سطح پر مصائب وتکالیف کا ہونا ہمارے لیے ترقی وکامیابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا باعث ہے لیکن اس کے باوجود دو سوال دل میں برابر کھٹکتے رہتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ انسان صرف فکر و تعقل ہی سے تعبیر نہیں، اس میں جذبات بھی ہیں اور یہ اپنے پہلو میں زندہ، بیدار اور زیادہ نازک احساسات بھی رکھتا ہے، اس لیے یہ قدرتی بات ہے کہ حالات و ظروف کی ستم رانیاں اس کو متاثر کریں اور اس میں حزن و غم کی کیفیتوں کو ابھار دیں جن سے زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

۲۔ یہ کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ رفع مصائب کے لیے انسان علم و فن اور تہذیب و تمدن کی سطح پر جس رد عمل کا اظہار کرے گا وہ بجائے خود صحیح بھی ہو گا اور اس کی کوکھ سے ان مصائب سے بھی زیادہ بھیانک مصائب جنم نہیں لیں گے جن کو یہ ختم کر دینے کے درپے ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں انہی دو خطرات کا مداوا تجویز کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ جب بھی تمہیں تکلیف و الم کی کسی آزمائش میں ڈالا جائے تم صبر و صلوٰۃ سے کام لو۔ صبر کا اطلاق قرآن کی اصطلاح میں ——— ——— تحمل و برداشت اور مقابلہ و تجزیہ کے دو معنوں پر ہوتا ہے، ایک کو بغیر کسی اظہار جزع و فزع کے اس آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کرو، دوسرے اس کا تجزیہ کرو اور وہ تدبیر اختیار کرو جس سے اس کو دور کیا جا سکے۔ صلوٰۃ سے کام لینے کا مقصد یہ ہے کہ اپنی ہر کوشش میں اللہ تعالیٰ سے اظہار بندگی، طلب دعا اور حصول رہنمائی کا تعلق استوار رکھو، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمہارے قدم اور تقا کی صحیح سمت میں اٹھیں گے اور تمہیں نہ صرف مصائب کے مقابلہ میں ایک مضبوط سہارا اور رفاقت میسر ہو گی بلکہ تعلق باللہ کی اس نوعیت سے اللہ کی جانب سے متعین رہنمائی بھی ہو گی۔ اس مداوا کو تجویز کر دینے کے بعد قرآن حکیم نے انسان کے بارے میں اس نفسیاتی حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ صبر و صلوٰۃ کا دوگونہ عمل اس کے لیے آسان نہیں بجز اس صورت کے کہ یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور زندگی کی تکالیف یا مسرتوں کا اندازہ صرف اس اعتبار سے نہ لگاتا ہو کہ اسے صرف اس دنیا میں رہنا جینا اور مرنا ہے بلکہ اس کے احساس الم و لذت کا پیمانہ یہ عقیدہ ہو کہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ اس لیے تکلیف و مصیبت وہ نہیں جس کا تعلق دنیا کی چند روزہ زندگی سے ہے۔ اصل مصیبت یہ ہے کہ کوئی شخص مراحل آخرت کے لیے تیار نہ ہو۔

© rasailojaraid.com